

کتاب کا نام : فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ

مصنف : مفتی محمد فرید خٹک و ترویج مفتی محمد وہاب
ناشر : دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی طبع اول ۲۰۰۴ء
قیمت و صفحات : قیمت درج نہیں ۶۸۰ صفحات

مفتی صاحب صوبہ سرحد کے بہت بڑے عالم دین و فقیہ ہیں اور پیر طریقت ہیں آپ کے فتاویٰ کی یہ دوسری جلد ہے جو کہ کتاب الطہارت اور کتاب الصلوٰۃ پر مشتمل ہے ان فتاویٰ میں فقہی جزئیات اور مکمل حوالہ جات کا اہتمام کیا گیا ہے اگر آخر میں کتابیات مکمل کوائف کے ساتھ دے دی جائیں تو کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے ہر مفتی کو اس سے استفادہ کرنا چاہئے اور اسے ہر لائبریری کی زینت ہونا چاہئے

کتاب کا نام : بر صغیر میں عربی نعتیہ شاعری مقالہ پی ایچ ڈی

مصنف : پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
تجزیہ نگار : پروفیسر علی حسن صدیقی

اسلام سے پہلے اہل ہند سے عربوں کے رابطے تھے۔ عرب بالخصوص حجاز ان تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ تھا جو جنوبی ہند سے بادبانی کشتیوں کے ذریعہ خلیج عرب کے ساحلی شہروں میں آتے اور عرب کے صحرائی راستوں سے ہوتے ہوئے شام و ایشیائی کوچک سے گزر کر بازنطینی علاقوں تک پہنچتے تھے۔ زمانہ عظیم میں یہ عظیم کارواں تھا جو بین الاقوامی حیثیت رکھتا تھا۔ مکہ کا شہر اسی شاہراہ (امام مبین) پر واقع تھا اور اس سرزمین میں جوع و خوف میں اس کے مکینوں کیلئے طعام و امن کی رسد و فراہمی کا واحد ذریعہ یہی تجارتی کارواں تھے جن کا ایک بازو قریش بھی تھے۔ عرب و ہند کے قدیمی روابط کی وجہ سے عربی زبان میں ہندوستانی الفاظ بھی درآئے اور قرآن مجید میں بھی سنسکرت کے الفاظ کی موجودگی ان روابط کی شاہد عدل ہے۔ یہ ابتدائی روابط اقتصادی تھے اور

زندگی کے تمام گوشوں تک ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ عرب و ہند کے تعلقات میں وسعت اس وقت پیدا ہوئی، جب اسلام فاتحانہ اس سرزمین میں داخل ہوا۔ اگرچہ ساحلی علاقوں پر مسلمانوں کی یلغاروں کا سلسلہ عہد فاروقی سے شروع ہو چکا تھا۔ اور بھڑوچ، (پردس) تھانہ (تانہ) اور ٹھٹھہ (تتہ) تک عربوں کے قدم پہنچ چکے تھے مگر یہ مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کا دور زریں تھا کہ محمد بن قاسم نے سندھ و ملتان میں فاتحانہ داخل ہو کر، اسلام کی عمل داری قائم کی۔ اس عمل تسخیر کے بعد عرب و ہند کے روابط میں استحکام پیدا ہوا۔ مقامی آبادی میں اسلام پھیلا اور فاتحین و مفتوحین میں جذب و انجذاب کے عمل کا آغاز ہوا اور یہ ملک اسلامی علوم و مآثر کا مرکز بن گیا۔ عربی زبان، نظم و نثر یہاں فکے لوگوں کیلئے اجنبی نہ رہی اور اسلام و پیغمبر اسلام ﷺ سے ان کی عقیدت و وابستگی کا سلسلہ بڑھا اور پھر بڑھتا ہی گیا۔ اس ملک میں عربوں کے بعد غزنوی ترک آئے پھر غوری آل سنش آئے، آل سنش کے غلام ممالیک آئے، خلجی، قروندہ اور افغان و ترک آئے۔ دائرے بڑھتے گئے سندھ و ملتان سے پنجاب کے میدانوں تک، وہاں سے دہلی اور شمالی ہند کی زرخیروادیوں تک، بنگال کی سحر انگیز سرزمین تک، مالوہ گجرات اور دکن تک غرض کراچی سے راس کماری تک، خیبر سے امچھال تک یعنی موجودہ برعظیم پاک و ہند کے ہر حصہ میں اسلام کے پیام لیوا اور سرور کائنات ﷺ کے عقیدت مند مداح پہنچ گئے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی کتاب ”برصغیر میں عربی نعتیہ شاعری“ اسی احوال کی تفصیل اور اسی سفر شوق کی رنگین داستان ہے۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی زیر نظر کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کی ایک گونہ تفصیل یوں ہے:

باب اول: نعت کے موضوع، اس کے محرکات، اس کے منابع اور فن سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ (۱۷۳) صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں (۸۷۹) حوالہ جات ہیں۔ نعت کے موضوعات میں آنحضرت ﷺ کے ذاتی اوصاف، سوانح حیات، پیغمبرانہ عظمت، معجزات، صلوة و سلام، اسماء النبی ﷺ اور عصری موضوعات کا ذکر ہے۔ اس باب کے دوسرے جز یعنی محرکات نعت کے ضمن میں جن مضامین سے بحث کی گئی ہے وہ ہیں رسالت، اطاعت و اتباع، عقیدت و محبت، توسل و استغاثہ، شوق دیدار اور خواہش زیارت مدینہ منورہ۔ ان محرکات کے بیان کے بعد

فاضل مصنف نے چند ثانوی محرکات سے بھی بحث کی ہے یہ ثانوی محرکات ہیں، حاضری مدینہ کی کیفیات، مقامی اثرات و عصری حالات، تتبع اور مجلسی محرکات، باب اول کے جز سوم میں سیرت الرسول ﷺ کے منابع (مآخذ) سے بحث کی گئی۔ مصنف نے سیرت کے مآخذ اول قرآن حکیم ذکر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کی حیات طیبہ قرآن مجید کا عملی پیکر ہے کہ کارِ خلقہ القرآن۔ اسلئے آپ کے سیرت کے نقوش کا پہلا مآخذ کتاب اللہ ہی ہے، بقول ڈاکٹر قریشی ”قرآن کی جن آیات سے مداحین کو خصوصی دلچسپی رہی، ان کا تعلق آپ کے خصائص و فضائل سے ہے“ اور چونکہ ایسی آیات بکثرت ہیں اور ان کا ذکر طوالت کا باعث ہے، اسلئے انہوں نے صرف چند ایک کے ذکر پر اکتفا کیا ہے لیکن اس اختصار کے باوجود انہوں نے چوبیس (۲۴) عناوین کے تحت آیات قرآنی کا استقصاء کیا ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے دوسرے مآخذ یا منبع کی حیثیت سے انہوں نے ”حدیث“ کا ذکر کیا ہے۔ حدیث جناب رسول اکرم ﷺ کے اقوال، اعمال اور تقریر سے عبارت ہے، اسلئے قرآن مجید کے بعد تندر کار رسول ﷺ کا سب سے موثق، جامع و مستند مآخذ حدیث ہی ہے۔ ڈاکٹر قریشی نے جمع و تدوین حدیث کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ابتدائی صحائف مثلاً صحیفہ ہمام بن منبہ وغیرہ کی بھی نشاندہی کی ہے، بعد ازاں صحاح ستہ اور بعض دیگر مجموعہ ہائے حدیث کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں کتب صحاح ستہ کی طویل فہرست مضامین درج کی ہے جو غیر ضروری طوالت کا باعث بنی ہے بظاہر اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نعت کے منابع میں علیحدہ عنوان کے تحت پروفیسر قریشی نے اسلامی تاریخ و سیرت نبوی ﷺ پر لکھی جانے والی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یقیناً یہ کتابیں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے تمام گوشوں پر محیط ہیں۔ ابن اسحاق کی کتاب سیرت اگرچہ تمام موجود نہیں ہے مگر ابن ہشام، ابن سعد اور متقدمین کی کتابوں میں اس کے جزو غالب کی موجودگی بسا غنیمت ہے۔ قریشی صاحب نے ان قدماء کے علاوہ متاخرین میں ابن سید الناس، سیبلی، قرطبی، ابن حزم، ابن قیم، اور ابن کثیر کی کتب سیرت کی نشاندہی کر کے اپنے وسعت مطالعہ اور کتاب زیر تبصرہ کی جامعیت کا ثبوت دیا ہے۔ اسی طرح طبری، مسعودی، ابن اثیر اور ابن خلدون کی کتب تاریخ کا بھی بطور مآخذ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ہماری کسی جامع تاریخی کتاب کا ذکر سیرت النبی ﷺ سے تنہی دامن ہو

ہی نہیں سکتا۔ باب اول کا چوتھا جزو ”فن ہے“ فن کے ضمن میں شعری تعریف، نعتیہ شاعری کی خصوصیات اور اس کی متفرع ہیئتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف نے پانچویں صدی ہجری کے نقاد ادیب ابو العباس حسن بن رشیق قیردانی (متوفی ۴۵۶ء) کی قائم کی ہوئی تقسیم کو بنیاد بنا کر نعت گوئی کو مدحیہ شاعری کے زمرہ میں محسوب کیا ہے مگر وہ اسے ایک نئی صنفِ سخن قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں ”مدح رسول اکرم ﷺ مدح کا حصہ ہے مگر اپنی مخصوص ہیئت اور عناصر ترکیبی کے لحاظ سے ایک نئی صنفِ سخن ہے۔ یہ خالص جذبول اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے۔“ (صفحہ ۱۳۳) قریشی صاحب نے نعتیہ شاعری کو ایک نئی صنفِ سخن قرار دینے پر جو دلائل قائم کئے ہیں، وہ قوی نہیں ہیں، کیونکہ شاعری جذبول اور تخیل کا حسین مرقع ہی ہوتی ہے اور یہی خصوصیت اسے نثر سے ممتاز کرتی ہے۔ اگر شعر جذبات سے عاری اور تہی ہو تو وہ کلام منظوم ہوگا مگر شعر نہیں ہوگا۔ کتاب میں ابن رشیق متوفی ۴۵۶ء کے سال وفات کے مختلف اندراجات ہیں مثلاً ۴۵۳ء اور ۶۳۲ء وغیرہ۔ میرا خیال ہے کہ یہ اختلاف سہواً کتابت کے سبب سے ہے۔

باب دوم: اس باب میں پروفیسر قریشی نے اسلام میں شعری حیثیت سے بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ شعر و شاعری کے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ اگر شاعری مثبت اقدار و انداز کی ترجمان ہو تو وہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ اس لئے صحابہ کرام اور آئمہ نے شعر کہے ہیں اور ادب اسلامی میں شاعری درجہ استناد و اعتبار رکھتی ہے۔ اس باب میں (۶۶۶) حوالہ جات ہیں۔ کتاب کا یہ باب ہر چند کہ بقاءت کہہ تر ہے، مگر قیمت بہتر بھی یہی ہے۔

باب سوم: اس باب کے مضامین (۲۲۸) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں اور حوالہ جات کی تعداد (۹۲۹) ہے یہ باب طویل ہے اور اس کے مشتملات میں پہلا عنوان ہے ”ابتدائی مداح نگار“۔ اس عنوان کے تحت جن شعراء اور ان کے اشعار کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی اسناد و اعتبار مشکوک ہے۔ بیشتر اشعار غیر مستند ہیں، ایک تحقیقی کتاب میں ان کے ذکر سے پہلو تہی کرنا چاہئے تھا۔ ایسے بیشتر اشعار جامعین سیرت و ناقدین اشعار کے نزدیک وضعی ہیں۔ اس باب کا دوسرا عنوان ہے ”نعت نگاری“ صحابہ کرام کے عہد میں اس میں حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن زہیر کے شاعرانہ اوصاف اور نعتیہ کلام کا ناقدانہ جائزہ

لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں خلفاء راشدین کے نعتیہ کلام کے نمونے پیش کئے گئے ہیں لیکن ان کے انتساب کو کبھی درست نہیں سمجھا گیا ہے۔ یہاں متعدد معروف و غیر معروف اصحاب کے اشعار پیش کئے گئے ہیں جن میں ایک شعر بنام عمر بھی شامل ہے جس کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صاحب ایک قصیدہ نعتیہ کے مالک ہیں۔ یہ عمر انسان نہیں، بلکہ جنات کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بیان حد درجہ غیر ثقہ و غیر مستند ہے۔ اس باب میں ”مخدرات اسلام“ کے عنوان کے تحت خواتین کے نعتیہ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں، ان میں جناب آمنہ، حلیمہ سعدیہ، اروئی بنت عبد المطلب، عاتکہ بنت عبد المطلب، صفیہ بنت عبد المطلب اور ام یمن وغیرہ کے اشعار شامل ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے جمع و تدوین پر زیادہ زور دیا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ اسماء و اشعار کو ذخیرہ کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس کے بعد صحابہ کرام کی مدحیہ شاعری کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس دور میں اموی اور عباسی ادوار کے عربی نعتیہ شاعروں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، قریشی صاحب نے المدائح النبویہ سے شعراء کی بے توجہی کے اسباب میں سیاسی گروہ بندی، مذہبی فرقہ بندی، شعراء کی ہوس زر، دین سے بیزاری اور قدیم جاہلی روایت کی رجعت کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ قارئین کیلئے مصنف علام سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے، کیونکہ اس دور میں آئمہ فنون نے دینی علوم کی تدوین، ترویج اور تہذیب کے فرائض انجام دیئے اور سیرت رسول ﷺ پر کتابیں مدون کیں اور یہی کتب سیرت کی بنیادی دستاویز قرار پائیں۔ اسی دور کے نعت نگاروں میں امام ابو حنیفہ، ابو القاسم، جہنی، شیخ عبد القادر جیلانی، زحتری، عمر بن فارض، جمال الدین المصری وغیرہ کا اجمالی ذکر کتاب کی جامعیت کی دلیل ہے۔

اس باب کے ایک جز کا عنوان ہے ”سقوط بغداد کے بعد“ ۶۵۲ھ (۱۲۵۸ء) میں بغداد کی عباسی خلافت کی بساط ہلاک کو خان نے الٹ دی اور دنیائے اسلام سیاسی تشمت، علمی انحطاط، اور فکری اضمحلال کا صید زبوں ہو گیا۔ اس عہد نامہ سعود میں عربی نعتیہ شاعری کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے سب سے نمائندہ و نمایاں نعت نگار امام بوسری ہیں۔ قریشی صاحب نے قصیدہ بردہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور علمی نہج پر اس کا مطالعہ و تجزیہ پیش کیا ہے۔ بوسری کے بعد بعض دیگر شعراء مثلاً ابن حجر عسقلانی، ابن سید الناس، ابن نباتہ مصری کا اجمالی ذکر کر کے آٹھویں صدی ہجری سے بارہویں صدی ہجری تک کے نعت گو شعراء کی اسم شماری کی گئی ہے۔ مصنف نے جامعیت کے خیال سے انلس کے ایسے چند فضلا کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اپنے علمی مشاغل

میں سے کچھ وقت نعت نگاری میں بھی صرف کیا ہے ایسے علماء میں ابن جریر، ابن حزم ظاہری، شیخ اکبر ابن عربی اور ابن خطیب وغیرہ نمایاں ہیں۔

اس باب کے آخر میں عہد حاضر کے شعراء کی نعت نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ عہد دنیا کے عرب کے انحطاط اور ملی زوال کا دور ہے۔ قنوطیت اور عبودیت کی فضا میں سانس لینے والے اس باب علم جدوجہد اور فکر و علم سے عاری تھے، لیکن اس یاس قاطع کی کوکھ سے ملی آزادی کی تحریک نے جنم لیا جدید تعلیم اور فنی مہارت کے حصول کی خواہش اور مغربی اقوام کی سیاسی کلکش نے دنیا کے عرب میں آزادی کی جدوجہد کو ہمیز کیا۔ خصوصاً مصر میں فرانسینی نفوذ محمد علی پاشا کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے مایوسی کا جھوٹا نثار عربوں میں جہد للحمیات کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہونے لگیں۔ اس دور سعی و عمل میں عربوں کو اپنے شاندار ماضی اور مذہب سے لگاؤ پیدا ہوا اور عظمت رفتہ کی بازیابی اور دلوں میں جذبہ ایمان کی حرارت پیدا کرنے کی غرض سے ذات رسول اکرم ﷺ سے دلی وابستگی اور آپ ﷺ سے استغاثہ کی تڑپ نے نعتیہ شاعری کو پروان چڑھایا۔ اس عہد کی نعتیہ شاعری اسلوب قدیم اور بصری کی آئینہ دار ہے۔ لیکن بتدریج معنی و مطالب میں تنوع درآیا اور استغاثہ و اصلاح کا انداز و منہج واضح ہونے لگا، پروفیسر قریشی نے اس عہد کے شعراء میں عراقی، عبد اللہ فکری، محمود سامی بارودی، یوسف بہبانی اور احمد شوقی سے بحث کی ہے۔ خصوصاً شوقی کا تفصیلی مطالعہ شامل ہے اور اس کے نبج البردة الہمز یہ النبیہ اور دول العرب وعظماء الاسلام کا قدرے تفصیل سے تذکرہ کیا ہے۔ اس باب کے خاتمہ سے پہلے مصنف نے ایران میں عربی نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا ہے جو سرسری و اجمالی ہے اس اجمال میں خاقانی، رومی، سعدی، جامی، جمالی ہندی اور خاتمہ الشعراء ایران مرزا حبیب کی اسم شماری کی گئی ہے۔

باب چہارم: اس باب میں عرب و ہند کے ابتدائی تعلقات سے بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ مقالہ کی ابتداء اسی باب سے ہوتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی تین ابواب مصنف کی جامعیت کی سعی کے مظہر ہیں اور (۵۰۰) صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس لئے یہ چوتھا باب ”عرب اور برصغیر پاک و ہند کے تعلقات“ کے عنوان سے اصل موضوع سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ باب بھی تمہیدی ہی ہے اور مقالہ باب پنجم سے شروع ہوتا ہے، بہر کیف اس باب میں نہایت دقیق معلومات جمع کی گئی ہیں۔ عہد خلفاء راشدین اور اموی و عباسی ادوار میں مسلمان فاتحین کی بر عظیم میں آمد اور بعد ازاں سندھ و ملتان کی تخییر کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد

ہندی نژاد عربی شعراء کی اسم شاری کی گئی ہے ایسے شعراء میں ہارون بن موسیٰ ملتانی، کشاجم سندھی و ابو عطا سندھی کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں میں البیرونی و مسعود سعد سلمان کے عربی شاعری کے نمونے دیئے گئے ہیں، حالانکہ یہ حضرات عہد غزنویہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں اس جائزہ میں غالباً اسلئے شامل کیا گیا ہے کہ یہ عہد سلطنت سے پہلے گزرے ہیں۔ اس باب میں (۱۸۹) حوالے ہیں اور حجم (۵۶) صفحات کا ہے۔

باب پنجم: اس باب کا عنوان ہے ”المدائح النبویہ سلاطین کے دور میں“ یہ باب قطب الدین ایک کی تخت نشینی سے شروع ہو کر ابراہیم لودھی کی وفات تک کے کوئی ساڑھے تین سو سال تک کے علمی، معاشی، معاشرتی، خصوصاً عربی نعت نگاری سے وابستہ سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کا حجم (۶۷) صفحات ہے اور حوالہ جات کی تعداد (۲۰۶) ہے۔ یہ دور نسبتاً طویل ہے، اس میں دہلی کے پانچ حکمران خاندان ملوک، خلجی، تغلق، سید اور لودھی کے علاوہ دور لامرکزیت کے متعدد حکمران خاندان داخل ہیں، مثلاً کشمیر کے سلاطین، ملتان کے لڑگاہ، مالوہ، گجرات، جوینپور و بنگال کے سلاطین اور دکن کے بھمنی، قطب شاہی، عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی اور برید شاہی سلاطین۔ اس دور سلطنت دہلی و لامرکزیت میں صوفیائے کرام کے عظیم سلسلے علماء و عظام کے وسیع حلقہ ہائے درس اور بر عظیم کی ملت اسلامیہ کے معاشرتی تنوع، وسعت اور کثرت کے احوال و سبب مطالعہ کا اقتضاء کرتے ہیں مگر مقالہ زیر نظر میں ان کا بہت اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، غالباً اس اختصاء کی وجہ مواد کی کمی یا شوق و جستجو کی آبلہ پائی تھی بہر کیف صوفیاء میں خواہ معین الدین چشتی، قطب الدین بختیار کاکی، شیخ فرید الدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی و شیخ فخر الدین عراقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مگر مخدوم جلال الدین بخاری اوجھی اور شرف الدین یحییٰ منیری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ علماء میں عوفی، منہاج سراج، حسن صنعانی، قاضی شہاب الدین و دات آبادی کی اسم شاری کی گئی ہے۔ شعراء میں عراقی، قاضی عبدالمقتدر الدامین کا تذکرہ کتاب میں شامل ہے۔ خصوصاً قاضی عبدالمقتدر کے لامیۃ الہند اور شیخ احمد تھانوی کے قصیدہ والیہ کا تفصیلی مطالعہ کتاب میں موجود ہے۔ اس الدامینی (م ۸۲۷ھ) کے مدحیہ قصیدہ الرائیہ کا تجزیہ بھی علمی و ادبی تحقیق کی نہایت عمدہ مثال ہے۔ اس باب میں چند سو یا تساح کی نشاندہی ضروری ہے۔ سلطان شمس الدین اتمش کے نام کی تصحیح ہو چکی ہے وہ (المنتخب) ہے (المنتخب) سلطان معز الدین کے قباد

بلن کا بیٹا نہیں پوتا تھا۔ وہ بغراخان کا بیٹا تھا۔ شرقی سلطنت، جسے شہنشاہ شاہ جہاں شیراز ہند کہتا تھا، بیجاپور (دکن) میں نہیں، بلکہ جون پور (پورب) میں قائم ہوئی تھی۔ سلطان ابراہیم شرقی، جون پور کا سلطان تھا۔ بیجاپور کا نہیں جہاں کے سلاطین ”عادل بادشاہ“ کہلاتے تھے۔

باب ششم: (الدرآخ النبویہ مغلیہ دور حکومت میں) اسے دور عروج اور دور زوال میں تقسیم کیا گیا ہے

(۱) **مغلیہ دور عروج** (از ۱۵۲۶ء تا ۱۷۰۷ء): بابر سے اورنگزیب کے دور حکومت و حالات کے سرسری جائزہ کے بعد اس عہد کے علماء و صوفیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ صوفیاء کے بیان میں بر عظیم کے سلسلہ ہائے تصوف کا تفصیلی تذکرہ پر قلم کیا گیا ہے۔ علماء میں شیخ محمد غوث گوالیاری، علی متقی، محمد طاہر پٹنی، مولانا عبداللہ سلطان پوری اور مولانا عبدالکیم سیال کوئی وغیرہ کی اسم شاری کی گئی ہے۔ اس طرح صوفیاء میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ سلیم چشتی، خواجہ باقی باللہ اور مجدد الف ثانی کے مختصر تعارف کے بعد اس عہد کی علمی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عہد کے مدح نگاروں میں شیخ جمالی، شیخ عبداللہ عید روسی، یعقوب، عربی، فیضی، اور حسن بن علی بن شہد قلم کے نعتیہ اشعار درج کئے گئے ہیں اور ان کی قدرے تفصیل دی گئی ہے۔ اس عہد کے ایک نعت نگار سید محصول علی الراشکی کے کلام کا خصوصی مطالعہ بھی اس حصہ میں شامل ہے اور خوب ہے۔

(۲) **مغلیہ دور زوال** (از ۱۷۰۷ء تا ۱۸۵۷ء): کتاب کا یہ حصہ پروفیسر قریشی کی علمی تحقیق کا اعلیٰ نمونہ ہے اور حاصل مطالعہ یہی جزء ہے۔ ہمارا یہ دور سیاسی انحطاط و انحلال کا عبرت ناک مرقع ہے۔ مگر علمی کمال اور ادبی و فکری سرگرمیوں کا نقطہ عروج بھی یہی عہد ہے۔ اس عہد میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی جیسی تابغ عصر شخصیت پیدا ہوئی اور ان پر اسلامی ہند فخر کرتا ہے۔ کتاب کے اس جزء میں بھی پہلے سیاسی انتشار کا مختصر بیان ہے۔ اس کے بعد علماء میں ملا جیون، محمد حیات سندھی، مرتضیٰ زبیدی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا عبدالعلی بحر العلوم، صوفیاء میں محمد مولانا فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی اور مظہر جاناں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں خدوم محمد ہاشم قوی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور میر غلام علی آزاد بلگرامی کے اسماء ہیں شاہ ولی اللہ کے علمی کمالات کی نشاندہی کے بعد ان کی نعتیہ شاعری کا مختصر بیان ہے۔ قریشی صاحب نے شاہ صاحب کے قصیدہ بانسہ کا تجزیہ پیش کیا ہے اور ان کے قصیدہ ہمزہ کا بھی جائزہ لیا ہے۔ شاہ صاحب کے صاحب زادہ شاہ فیض الدین کے قصیدہ معراج کا مختصر تذکرہ ہے اور اس نتیجے پر پہنچے

ہیں کہ قصیدہ ان کی عربیت پر ماہرانہ دسترس کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شاہ عبدالعزیز کا مختصر ذکر کیا ہے۔ حالانکہ شاہ عبدالعزیز کی شاعری و عربیت نہایت وقیع، ارفع و اعلیٰ تھی۔ بہر کیف ان کے قصیدہ میمیہ کا جو نعتیہ ہے، ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اخیر میں میر غلام علی آزاد بلگرامی کا قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔ اور اس کی وجہ ان کے دس عربی دواوین اور کثرت اشعار ہے۔ آزاد کے عربی اشعار کی تعداد سترہ (۱۷) ہزار سے زیادہ ہے۔ ان کے اشعار کا جزو غالب مدحت سرور کائنات ﷺ ہے۔ پروفیسر قریشی کی رائے ہے کہ ”آزاد کو عربی شاعری میں بلند مقام حاصل ہے۔ انہوں نے عربی شاعری میں نئے تجربات سے قارئین کی توجہ کو جذب کیا ہے“ اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ بقول مولانا فضل حق خیر آبادی ”حروف آں عربی است و در حقیقت آں زبان دیگر است“ اور مولانا شبلی نے ان کے کلام پر یہ رائے دی ہے کہ ”آزاد کا عربی کلام ان کا چہرہ کمال کا داغ ہے“ قریشی صاحب نے اس عجمی شاعری پر ۲۴ صفحے صرف کئے۔

باب ہفتم: المداخ النبویہ دور جدید میں: یہ دور ۱۸۵۷ء سے اب تک (؟) کے کوائف پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں اس عہد کے سیاسی حالات کا اجمالی بیان ہے پروفیسر صاحب نے اس ضمن میں لکھا ہے۔ ”۱۷۶۵ء میں بکسر کے مقام پر انگریزوں کی کامیابی دراصل برصغیر کی غلامی کی خشت اول تھی (س ۷۸۷)۔“ بکسر کی جنگ جیتنے کے بعد انگریز اوڈہ (یوپی) میں در آیا تھا۔ مگر غلامی کی خشت اول ۱۷۸۵ء میں پلاسی کی جنگ میں سرانجام الدولہ، نواب بنگال و بہار کی شکست اور لارڈ کلاؤ کی پرفریب کامیابی نے رکھی تھی۔ اس عہد کے علماء میں مولانا کفایت علی کافی، مولانا احمد سعید مجددی، مولانا عبدالحی فرنگی محلی، سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا عبدالعزیز مبین جیسے سربراہ آوردہ حضرات کی اسم شائری اکرائی گئی ہے۔ اس عہد کے جن عربی شعراء کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں مفتی صدر الدین آزرہ، مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، شیخ محمد طیب مکی، مولانا حمید الدین فراہی، شیخ محمد سورتی وغیرہ کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ المداخ النبویہ لکھنے والے شعراء میں منشی امیر احمد امیر مینائی، مولانا ذوالفقار دیوبندی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا حالی وغیرہ کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے یہ تمام اسم شماری محض تہر کا ہے اور چند باب کے سوا انہوں نے عربی شاعری نہیں کی ہے۔ اس اجمال کے بعد فحوی شعراء عربی کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے ان میں مولانا فضل الحق خیر آبادی، مولانا فیض الحسن سہارن پوری، قاضی طلا محمد پشوری، مولانا احمد رضا خان، مولانا

حبیب الرحمن عثمانیؒ مولانا نور شاہ کشمیری مولانا اصغر علی رومی، مولانا عبد القدیر حسرت، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا محمد افضل فقیر کی عربی شاعری کے نمونے دیئے گئے ہیں اور ان کی شاعرانہ حیثیت کا بھی تعین کیا گیا ہے۔ پروفیسر قریشی نے ان حضرات کی عربی نعتیہ شاعری کے معیار و کمال کی تعریف کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ”عہد جدید میں عربی مدحیہ شاعری اپنے سابقہ معیار کے ساتھ باقی ہے۔ اور عہد حاضر کے موجودہ شعراء کی دلچسپیاں بتا رہی ہیں کہ یہ سلسلہ اس اعتماد اور یقین کے ساتھ برقرار رہے گا۔ اور یقیناً مستقبل میں اور بہتری کی صورت پیدا ہو جائے گی“

باب ہفتم: اس باب میں ابواب سابق میں بیان کردہ مباحث کا عمومی جائزہ لیا گیا ہے اور ”حرف آخر“ میں پروفیسر صاحب نے ممنونیت کے الفاظ کے ساتھ کم و بیش ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی داستان کو ختم کیا ہے۔ یہ داستان طویل مطالعہ، مجاہدہ و مباحثہ کا نتیجہ ہے

”کتاب بر صغیر پاک و ہند میں عربیہ نعتیہ شاعری“ کی تفصیل کا اجمال طور ماسبق میں پیش کیا گیا۔ اس سے پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی وسعت معلومات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب عربی نعتیہ شاعری کا مبسوط تذکرہ ہے مگر انسان ضعیف البیان ہے، اس کی کامیاب ترین کوشش بھی خطا و نسیان سے محفوظ نہیں رہ سکتی اور اس میں کوئی نہ کوئی کمی رہ جاتی ہے۔ ”بر صغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری“ بھی اپنی گونا گوں خوبیوں کے باوجود بعض تسامحات سے محفوظ نہیں ہے۔ ہم سطور ذیل میں ان کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ اگر وہ نقائص درست ہیں تو اگلے ایڈیشن میں ان کی تصحیح ہو جائے اور اگر نادرست ہیں تو میری تصحیح ہو جائے۔

(۱) کتاب کے نام میں ”بر صغیر پاک و ہند“ دیکھ کر عربی زبان کے ایک فاضل کی لغزش قلم پر سخت حیرت ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اس ”شعبہ القارہ“ میں بھارت، سری لنکا، پاکستان، مالدیپ، بھوٹان، اور بنگلہ دیش کی آزاد حکومتیں قائم ہوئیں، یوں یہ وسیع خطہ ارضی ایک ملک کے بجائے متعدد ملکوں کا مجموعہ ہو گیا۔ اس لئے SUB CONTINENT کا نام دیا گیا، پہلے اس کا ترجمہ ”حتی براعظم“ کیا گیا، مگر بعد میں اس کا ترجمہ ”بر عظیم“ کیا گیا اور اہل علم میں یہی اصطلاح رائج ہو گئی۔ کچھ غلطی سے ”بر صغیر“ بھی لکھتے ہیں، مگر یہ غلط ہے اس کی تخلیط سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ عربی میں ”شعبہ القارہ“ سے بھی ”بر صغیر“ کی تخلیط ہوتی ہے۔

(۲) کتاب میں عربی اشعار اور عربی عبارتوں کے ترجمے نہیں دیئے گئے ہیں۔ اس سے عربی نہ